جناب مولانا عیسیٰ منصوری
سیکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک فورم (لندن) یو۔ کے

عصر حاضر میں اسلام کی تعبیر و تشریح

مغرب میں مسلمانوں کے مستقبل کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ اسلام کے پیش کرنے میں کیا حکمت عملی اختیار کرتے ہیں' ایک طبقہ اسلام کو محض نظام اقتدار بنا کر پیش کر رہا ہے جسکے نتیجہ میں مقامی آبادی میں اسلام سے وحشت پیدا ہو رہی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ مسلمان یہاں اقتدار اعلیٰ کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ جبکہ صحیح طریقہ یہ تھا کہ اسلام کے "نظام عقائد" کو پیش کیا جاتا' یعنی اسلام کے نظریہ فکر کو جو آج کے نظریاتی دور اور اہل مغرب کی نفسیات کے عین مطابق ہوتا اور مغربی اقوام کو سنجیدگی اور کھلے دل سے اس پر غور کرنے کا موقع ملتا، چنانچہ ایک مفکر لکھتے ہیں:

"ہر انسانی گروہ کا ایک نظام عقائد ہوتا ہے اور دوسرا اس کا نظام اقتدار۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان نظام اقتدار کے اعتبار سے دوسری قوموں سے پیچھے ہو گئے ہیں۔ لیکن نظام عقائد (فکر و نظریہ) کے اعتبار سے آج بھی وہ تمام قوموں سے زیادہ طاقتور ہیں۔ مگر مسلمانوں کے قائدین ساری دنیا میں یہ کر رہے ہیں کہ وہ نظام اقتدار کے میدان میں دوسری قوموں سے ٹکرا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے حصے میں شکست و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں آ رہا ہے، اگر وہ اس بے فائدہ ٹکراؤ کو ختم کر دیں۔ اور نظام عقائد کے میدان میں دوسری قوموں کو اپنا مخاطب بنائیں تو بہت جلد وہ دیکھیں گے کہ ان کی شکست کی تاریخ فتح کی تاریخ میں تبدیل ہو گئی ہے۔

۱۹۹۴ء میں امریکہ میں عالمی مذاہب کانفرنس منعقد ہوئی جو ہر سو سال بعد منعقد ہوتی ہے۔ اسکی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں دنیا کے ہر چھوٹے بڑے مذہب کے پیروکاروں کو اپنے مذہب کا تعارف پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس کانفرنس میں شرکت کرنے والی ایک علمی شخصیت نے اس کانفرنس کا ایک نہایت قابل غور نکتہ تحریر کیا ہے۔ وہ یہ کہ کانفرنس میں دوسرے مذاہب پر گفتگو کے دوران لوگ سنجیدہ رہتے اور بغور سنتے مگر جونہی اسلام کے تعارف کا موقع آتا وہ جارحانہ انداز اختیار کر لیتے، لوگوں کے اس رویہ کا سبب بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ دیگر مذاہب

کے نمائندے اپنے مذہب کو فرد کی تعمیر کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ یعنی انکا مذہب فرد کے اعمال وعقائد میں کیا تبدیلی لانا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا نمائندہ اپنی بات یہاں سے شروع کرتا کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، وہ پورے اجتماعی نظام میں انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ غرض وہ اسلام کو ایک کامل ریاستی نظام کی حیثیت سے پیش کرتا، یعنی فرد کے بجائے ریاست کے حوالہ سے۔ یہ بدیہی بات ہے کہ جب سیاست وسسٹم کی بات آئے گی تو سامع پر فوری اثر یہ مرتب ہوگا وہ سمجھے گا مسلمان ہم پر سیاسی بالادستی واقتدار کے خواہاں ہیں، اسطرح خود بخود اسلام کے متعلق ان کا انداز جارحانہ ہو جائیگا۔ اور وہ ذہنی طور پر تناؤ (Tension) کی حالت میں آجائینگے۔ موجودہ دور کے مسلمانوں میں اسلام کے حوالے سے اس طرز فکر کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ صدیوں میں عالم اسلام کے بڑے حصہ پر مغرب کی سیاسی حکمرانی رہی ہے، اسکے ردعمل کے طور پر بیسویں صدی کے دور غلامی میں نشوونما پانے والے متعدد اسلامی مفکرین کے ذہنوں پر اسلام کا سیاسی پہلو حاوی ہو گیا، اس فکر سے مغلوب ہو کر انہوں نے اسلام کی سیاسی تعبیر پیش کرنی شروع کی، کیونکہ اسلام کو ایک ریاستی نظام کے طور پر پیش کرنے میں انہیں اپنی غلامی کی مجروح انا کو ایک طرح کی تسکین حاصل ہوتی تھی۔ حالات کے جبر نے ان کے فہم اسلام میں یہ انحراف پیدا کر دیا کہ انکے نزدیک اسلام کا بنیادی ہدف ومقصد فرد کی تعمیر کے بجائے ریاست واقتدار کا قیام ہے جبکہ فی الواقع اسلام کی یہ تعبیر انتہائی مغالطہ انگیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا اصل نشانہ بھی فرد ہے نہ کہ اجتماع۔ اجتماعی تبدیلی اس کا بالواسطہ جزء ہے نہ کہ براہ راست انسانی شخصیت کی تعمیر ہی اسلام کا اصل مقصد ہے جس طرح یہ دوسرے مذاہب کا مقصد بیان کیا جاتا ہے۔ اسلام کو سیاسی نظام کے انداز میں پیش کرنے کا فوری نقصان یہ ہوتا ہے کہ مخاطب شروع ہی سے تناؤ اور ٹینشن کی کیفیت میں آجاتا ہے اور وہ کھلے دل سے اسلام کی بات سننے اور اس پر غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا، اس موضوع پر پاکستان کے جناب خورشید احمد ندیم صاحب لکھتے ہیں :۔

”دین کے ماخذوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا اصل منتہی ایک اسلامی ریاست کا قیام نہیں ہے، مگر مسلمان چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارنے کے پابند ہیں، اسلئے جب یہ کہیں مل کر کوئی معاشرت یا ریاست قائم کریں گے۔ تو ان کے اجتماعی نظام میں ایک ناگزیر تقاضے کے طور پر دین ہی کو غلبہ حاصل ہوگا، اس اعتبار سے یہ اجتماعیت کے متعلق

ایک تقاضا ہے ، نہ کہ دین کا نصب العین ، اس کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھئے۔ اس امت پر شہادت حق کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اگر انہیں کہیں اقتدار ملے تو وہاں وہ اللہ کے دین کو غالب کریں۔ اب نصب العین اور تقاضے کے اس فرق کو ... رکھتے ہوئے اسلام کی موجودہ صورتحال پر نظر ڈالیے تو جناب وحید الدین خان صاحب کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان اس وقت اس کیفیت میں نہیں کہ کوئی پولیٹیکل ایمپائر کھڑی کریں۔ البتہ وہ ایک ''دعوت ایمپائر'' ضرور قائم کر سکتے ہیں یعنی اس وقت مواصلات کی ترقی اور آزادی ابلاغ کی اس فضا کو استعمال کرتے ہوئے وہ ایک عالمی دعوت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، لہذا مغرب کے ساتھ کسی مکالمہ میں شریک ہوتے وقت مسلمانوں کو اس پہلو سے بھی غور کرنا پڑیگا۔ کہ وہ داعی ہیں اور مغرب ان کا مدعو۔ اس لئے داعی اور مدعو کے مابین تعلق کی صحیح نوعیت ان کے پیش نظر رہنی چاہیے۔''

نیز انسانی فطرت کا یہ پہلو بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ کہ آدمی ہمیشہ نظریہ کی تصدیق خارج میں چاہتا ہے جب آپ اسلام کو ایک سیاسی نظام کے طور پر پیش کریں گے تو قدرتی طور پر مخاطب اس کی تصدیق کیلئے مسلم ممالک (سعودی عرب، پاکستان، ایران، عراق) کی طرف دیکھے گا، جب وہاں کوئی بہتر سسٹم و نظام نہیں پائے گا تو شروع ہی سے اسلام کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کا شکار رہو جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مغرب میں ٹھنڈے دل سے اسلام پر غور کرنے اور اسکے سمجھنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ افراد و جماعتیں ہیں جنہیں اسلام کی سیاسی تعبیر پر اصرار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی سیاسی تعبیر کا ذہن بیسویں صدی کے اوائل میں یورپ کی مسلم دنیا پر سیاسی بالادستی کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوا۔ بیسویں صدی دنیا میں مختلف ازموں کے عروج و غلغلہ کا دور ہے ، کمیونزم ، سوشلزم ، سیکولرازم ، کیپیٹل ازم وغیرہ ، اس سے متاثر ہو کر بعض اسلامی مفکرین نے اسلام کو بھی ایک ازم کے طور پر پیش کیا، اسی طرح اسلام کو بطور تحریک پیش کرنا بھی اسی کا حصہ ہے ، اگرچہ تحریک عربی لفظ ہے مگر قرآن وحدیث ، سیر و مغازی حتی کے بیسویں صدی سے پہلے فقہ و ادب میں تحریک کا شاذ و نادر ہی استعمال ہوا ہے۔ اس کیلئے عام طور پر دعوت کا لفظ مستعمل تھا اس کے برعکس اگر اسلام کو فطری انداز میں پیش کیا جائے تو اس کی تصدیق کیلئے مخاطب انسانی فطرت کی طرف رجوع کریگا۔ اور یہاں وہ فوراً اس کی تصدیق پالے گا۔ کیونکہ اسلام کو وہ فطرت انسانی کے عین مطابق پائیگا۔ کیونکہ خالق کائنات نے اسلام کو فطرت کے عین مطابق اور

حق کی بنیاد پر بنایا، اس لئے فطری انداز میں پیش کئے جانے والے اسلام کی تصدیق مخاطب بلا تاخیر خود اپنی فطرت اور قلب کی سطح پر پا جاتا ہے۔ اسے اس کی تصدیق کیلئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں رہتی جبکہ غیر فطری (سیاسی) انداز میں پیش کئے جانے والے اسلام کی خارج میں تصدیق نہ پاکر مخاطب ابتداء ہی سے اسلام کی حقانیت کے متعلق شبہات کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے موجودہ صدی کے بعض اسلامی مفکرین و داعیوں نے اسلام کو ایک سیاسی نظام کے طور پر پیش کر کے نہ صرف دنیا کی اقوام کو اسلام سے دور کیا ہے بلکہ خود اسلام پر بھی بڑا ظلم کیا ہے۔ اسوقت یہ مسئلہ بہت اہم اور قابل غور ہے کہ مغرب میں اسلام کی دعوت کیلئے حکمت عملی کیا ہو؟ اسلام کے پیش کرنے کا فطری طریقہ بھی یہی ہے کہ مسلمان یہاں اپنے عمل سے اسلام کو پیش کریں اور معتدل انداز میں اسلام کے ان افادی پہلوؤں کو پیش کریں۔ جو ساری دنیائے انسانیت کی بہبودی و بھلائی کیلئے ہیں، یا علمی طور پر اسلام کے فطرت انسانی جدید سائنس اور دیگر انسانی علوم کے عین مطابق ہونے کو پیش کیا جائے۔ دنیا کے مذاہب میں یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ جدید سائنس اور دیگر انسانی علوم اپنی ترقی کے ہر ہر مرحلہ میں اس کی تصدیق کرتے جارہے ہیں۔ وہ آج تک قرآن کی ایک بات کو بھی خلاف واقع ثابت نہیں کرپائے جبکہ دیگر مذاہب کی ڈھیروں باتیں سائنس اور جدید علمی تحقیقات سے گھبراتی نہیں۔ چنانچہ وحید الدین لکھتے ہیں: "انکے (مسلمانوں) پاس وہ سچائی ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں، تجارتی اصطلاح میں انہیں مذہب کے میدان میں ایک قسم کی اجارہ داری (Monopoly) حاصل ہے تمام اہل مذاہب میں وہ تنہا گروہ ہیں جنکے پاس بے آمیز مذہب صداقت موجود ہے۔ جنکا مذہب پورے معنوں میں تاریخی مذہب ہے جبکہ دوسرے تمام مذاہب غیر معتبر روایات کا مجموعہ ہیں۔ اسلام کے سوا کسی بھی دوسرے مذہب کو تاریخ کی بنیاد حاصل نہیں ہے۔"

اس وقت مسلمانوں کو سیاسی نظام کے حوالہ سے مغرب میں مخاصمت بڑھانے کے بجائے اسلام کے فکر و عقیدہ کو پیش کرتے ہوئے مغرب میں در پیش معاشرتی و اخلاقی بحران پر گفتگو کا آغاز کرنا چاہیئے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اسلام کی دعوت کا جذبہ رکھنے والے اپنے خول سے باہر نکلیں اور مغرب کے سنجیدہ دانشوروں اور مذہبی طبقہ سے "ڈائیلاگ" شروع کریں۔ مذہب، آخرت، تمدنی معاشرتی مسائل، خاندانی نظام کے استحکام، نئی نسل کی بے راہ روی، انسانیت کی اپنے پیدا کرنے

والے سے دوری اور مذہبی گرفت کے کمزور پڑنے کے اسباب جیسے بے شمار عنوانات پر اسلام اور مغرب کے درمیان مکالمے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ اسلئے کہ اسلام دعوت کا مذہب ہے وہ پوری انسانیت کے بہبودی کے لئے مستقل نظریہ فکر رکھتا ہے۔ ہر مسلمان کو اس موقع کی تلاش میں رہنا چاہیے۔ جہاں وہ اپنی بات پہنچا سکے۔ تھامس مین نے درست کہا ہے: ''گفتگو فی نفسہ تہذیب ہے لفظ چاہے کتنا بھی اختلافی ہو واسطہ کا ذریعہ بنتا ہے، یہ خاموشی جو تنہا کرتی ہے۔'' اس موضوع پر پاکستان کے خورشید ندیم صاحب لکھتے ہیں: ''مغرب سے مکالمے میں جو بات بطور اصول لحاظ رہنا چاہیے وہ نظریے و سیاست کا تفاوت ہے، سعودی عرب اور امریکہ کے تعلقات کیا ہیں؟ مشرق وسطیٰ میں امریکہ نے کیا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے؟ مسلم اور غیر مسلم ممالک میں تجارت کن بنیادوں پر ہونی چاہیے؟ یہ سوالات عملی سیاست کا موضوع تو ہو سکتے ہیں لیکن کسی نظری بحث کا نہیں۔ اسلام میں ایک ریاست کا قیام کیا فی نفسہ مطلوب ہے؟ اسلام میں انسان کے معاشرتی مسائل کا حل کیا ہے؟ سرمایہ داری اور اسلام کی معاشی تعلیمات میں کہاں کہاں ہم آہنگی اور کہاں کہاں فرق ہے؟ یہ سب سوالات ایک نظری بحث کا موضوع ہونا چاہیں' عملاً یہ ہوتا ہے کہ جب بھی اسلام اور مغرب کے درمیان کسی مکالمے کا آغاز ہوتا ہے۔ تو روزمرہ کے سیاسی مسائل کچھ اسطرح غلبہ پا لیتے ہیں کہ نظری مسائل دب کر رہ جاتے ہیں۔ میڈیا کو چونکہ سیاسی مسائل سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے اسلئے وہ اس سارے عمل کو اپنے طور پر متاثر کرتا ہے اسطرح اسلام کا موقف پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔'' عرب مصنفین کی یونین کے سیکرٹری جنرل علی اکلا رسان نے درست کہا ہے کہ: ''ہم اس صداقت کے دور میں زندہ ہیں جسے میڈیا سچ کہتا ہے نہ کہ حقیقی سچ، ہوتا یہ ہے کہ اہل دانش کی تمام مساعی لاحاصل رہتی ہیں۔ کیونکہ میڈیا کی ساری دلچسپی سیاسی مفادات سے وابستہ ہے اور سیاسی مفادات کا حق و انصاف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔'' سب ہی جانتے ہیں کہ عرصہ سے مغربی میڈیا پر صیہونیت کا اجارہ داری قائم ہو چکی ہے۔ وہ کمال عیاری سے اسلام کی تصویر مسخ کرنے کا کام خود اسلام کے داعیوں سے لے رہا ہے۔ مغرب میں دعوت و فکر کی بجائے خلافت و جہاد کو مقصد قرار دینا مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ یہاں پر جوش مسلم رہنماؤں کے بیانات سنیں تو ان میں عموماً دو باتیں پائیں گے (۱) مسلم حکمرانوں پر غیظ و غضب (۲) مغرب کے اسلام دشمن رول کو پیش کرنا۔ اس طرز عمل سے مشتعل ہو کر مسلم نوجوان رد عمل کی نفسیات کا شکار ہو جاتے ہیں چونکہ

مغربی میڈیا مسلمانوں کو مشتعل دکھانا چاہتا ہے اسلئے وہ ان مسلم رہنماؤں کو زیادہ سے زیادہ کورتج دیتا ہے۔ اسکے دو مقاصد ہیں (۱) دنیامیں مغرب کے کھلے پن اور آزادی رائے کا پروپیگنڈہ کرنا (۲) ذرائع ابلاغ میں مسلمانوں کی منفی تصویر پیش کرنا تاکہ مقامی لوگوں میں اسلام اور مسلمانوں سے تنفر بڑھتا رہے۔ مسلمانوں کی منفی اور انتہا پسندانہ تصویر پیش کرتے ہیں۔ مغربی میڈیا کی معاونت کررہے ہیں۔ موجودہ دور میں مغرب میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں ان کی منفی تصویر (Negative Image) بن گئی ہے۔ اس صورتحال کو بدلنا اور مسلمانوں کی مثبت تصویر (Positive Image) پیش کرنا وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے اور یہ کام مسلمانوں کو خود کرنا ہوگا۔ اور یہ اسکے بغیر ممکن نہیں کہ مسلمان مغربی میڈیا اشتعال دلانے پر بھی مشتعل نہ ہوں۔ الغرض ہمیں مغرب سے مکالمہ کا ایجنڈا ترتیب دیتے وقت اس امر کا بطور خاص لحاظ رکھنا ہوگا کہ مکالمہ فکری و نظری مسائل پر ہو نہ کہ سیاسی و تہذیبی مسائل پر، بصورت دیگر جہاں اسلام کی بے شمار تعبیریں سامنے آئیں گی وہاں مسلمانوں اور اہل مغرب کے مختلف رویے اس کو پیچیدہ بنادیں گے۔ اور باہمی مکالمے کی ساری تگ و دو بحث برائے بحث سے آگے ہی نہیں بڑھ سکے گی بلکہ اندیشہ ہے کہ مزید منافرت و دوری کا ذریعہ بن جائے، اس لیے کہ سیاست واقتدار وہ شعبے ہیں جس کی بنیاد مفادات پر ہے اور مفادات بھائی کو بھائی کا دشمن بنادیتے ہیں۔ اسلئے اگر مسلمانوں نے اسلام کو نظریہ فکر کی بجائے نظام ریاست کے طور پر پیش کیا تو ایک طرف سیاسی مفادات اور دوسری طرف صیہونی میڈیا مغرب میں اسلام کے کیس کو تلپٹ کر کے رکھ دیں گے۔ دور نبوت سے لیکر عصر حاضر تک اسلام کے فکر و نظریہ اور قرآن کے آفاقی و انفسی دلائل کا کفر کے پاس ہمیشہ سے ایک ہی جواب رہا ہے جسے قرآن نے ان معجز نما الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "لاتسمعوالهذاالقرآن والغوافيه لعلكم تغلبون" کہ قرآن کو سنو ہی نہیں اور اگر کوئی سنائے تو مخالفانہ شور و شغب برپا کرو، شاید اس طرح تم غالب ہوسکو، جس طرح دور نبوت میں اسلام کی روشنی کو پھیلنے سے روکنے کے لئے پیغمبر اسلام کے ساحر، کاہن شاعر و مجنون ہونے کا پروپیگنڈہ کیا گیا،، آج مغرب کی مہذب اقوام نے اسلام کیلئے نئی گالیاں ایجاد کرلی ہیں، اور نئے بہتان اور اتہامات تراش لئے ہیں۔ انتہا پسند، بنیاد پرست، انسانی حقوق کے خلاف ہونے کا شور مچا کر مغرب کے ذرائع لبلاغ نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہے۔ اس صورتحال میں ضروری ہے کہ مسلمان

مغربی میڈیا کے اکسانے پر مشتعل نہ ہوں۔ اور صبر و تحمل سے اسلام کے فکر و نظریہ کو پیش کریں تو توقع کی جاسکتی ہے کہ بہت جلد حالات ان کے حق میں ہو جائیں گے کیونکہ مغرب میں مذہبی عصبیت بڑی حد تک ختم ہو چکی ہے۔ گزشتہ کئی صدیوں سے مغرب کے ذہن و فکر کو تشکیل دینے والے بیشتر فلسفی و مفکر یہودی رہے ہیں۔ جیسے ہیگل، کارل مارکس، ڈارون وغیرہ۔ انہوں نے صدیوں کی تگ و دو کے بعد مغرب میں سیاسی، معاشی اور تعلیمی طور پر ایسا نظام قائم کر دیا ہے جس میں ایک اقلیت (یہودی) بآسانی اکثریت پر اثرانداز ہو سکتی ہے۔ اور ان پر کنٹرول کر سکتی ہے۔ یہودیوں کی خفیہ دستاویز (پروٹوکول) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ دنیا پر ایک خاص نسل کے تسلط قائم کرنے کے علی الرغم کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں دوسری کسی بھی اقلیت کے لئے بہترین مواقع موجود ہیں۔ مسلمان اگر سیاسی محاذ آرائی سے بچتے ہوئے اسلام کو فکری و عملی طور پر پیش کر سکیں تو اسوقت مغرب میں اسلام کیلئے حالات نہایت سازگار ہیں۔ مسلمان مغرب میں وہ حکمت عملی اختیار کریں جو حضرت جعفر طیارؓ نے حبشہ میں مسیحی بادشاہ نجاشی کے ملک میں اختیار کی تھی۔ حضرت جعفر طیارؓ کے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق سن کر نجاشی نے زمین سے تنکا اٹھا کر کہا تھا خدا کی قسم! جو تم نے بیان کیا عیسیٰؑ اس سے اس تنکے کے برابر زیادہ نہیں تھے۔ حال ہی میں مغرب میں متعدد اہم مسیحی رہنماؤں کے بیانات آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ الٰہ نہیں بلکہ نبی تھے۔ دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ وقت نے خود مخالف اسلام مغربی پروپیگنڈے کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے۔ وہ اس طرح کہ صدیوں تک مغرب مسلمان کو ایک خونخوار وحشی کے روپ میں پیش کرتا رہا کہ مسلمان بات بات میں مغلوب الغضب ہو جاتا ہے۔ فوراً تلوار اٹھا کر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اب قدرت نے کروڑوں مسلمانوں کو مغرب میں پہنچا دیا اور یہاں کے عام آدمی کو روزمرہ کی زندگی میں اس "خونخوار" مسلمان سے سابقہ پڑنے لگا۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ کوئی مسلمان اس پر حملہ نہیں کرتا بلکہ وہ بہ نسبت گوروں اور کالوں (ویسٹ انڈین) کے زیادہ پرامن طور پر رہتا ہے، اسکا خاندانی نظام خوشگوار حد تک مستحکم ہے تو وہ اسلام کے متعلق بھی غور کرنے لگتا ہے۔ اس موقع پر اگر اسلام کی صحیح اور مثبت فکر پیش کی جائے تو اس کی کامیابی کے امکانات کافی بڑھ جاتے ہیں۔ مغرب میں اسلام کو بطور نظریہ و فکر کے پیش کرنے کا یہی سب سے بہتر وقت ہے کہ مغرب میں ایک نظریاتی خلا پیدا ہو گیا ہے، سوویت یونین کا خاتمہ محض ایک فیڈریشن کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نظریہ کا ناکامی کا

اعلان تھا، کمیونزم ایک نظریہ تھا جس نے ابن آدم کے اجتماعی مسائل کا ایک حل تجویز کیا۔ ستر برس کے تجربہ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ انسان کے مسائل نہ صرف برقرار ہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ اشتراکیت و سرمایہ داری کے اس تصادم میں سرمایہ داری کو ہر طور پر کامیابی ہوئی، اس وقت عالمی سطح پر سرمایہ داری کو کوئی چیلنج در پیش نہیں لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے کسی نظریہ کی بقاء کیلئے اسکی ضد ہونا ضروری ہے اس بناء پر ان لوگوں کا کہنا کہ سرمایہ داری کو اگر کسی نظری چیلنج کا سامنا ہوا تو اسکی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس صورت میں اسکے داخلی تضادات سامنے آئیں گے اور یہ نظریہ خود اپنے ہی وجود میں شکست وریخت کے عمل سے گزرے گا جو بالآخر اسکی موت پر منتج ہوگا۔ انکے نزدیک جو نظریہ سرمایہ داری کو چیلنج کر سکتا ہے، وہ اسلام ہے۔ اسلئے کمیونزم کے بعد اسلام کو متوقع خطرہ کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ مغرب کی ایک اسلام دشمن طاقتور لابی جو اسلام کے نظریہ کی طاقت سے خوفزدہ ہے اس کی حکمت عملی یہ ہے کہ اسلام کو تہذیبی وسیاسی طور پر مغرب کا حریف بنا کر پیش کیا جائے تاکہ اسلام کے خلاف اس حد تک نفرت بڑھ جائے کہ اہل مغرب کھلے دل سے اسلام کے نظریہ و فکر پر غور نہ کر سکیں۔ بدقسمتی سے بعض نادان مسلم رہنما جنہوں نے مسلم ممالک میں بھی اسلام کو اپنے حکمرانوں سے ٹکراؤ کا عنوان بنا کر مسلم حکمرانوں کو غیر ضروری طور پر اسلامی تحریکوں کا دشمن بنا دیا ہے۔ وہ سیاسی طور پر ٹکرا کر مسلم ملکوں میں اسلامی دعوت کے مواقع برباد کر چکے ہیں۔ یہ لوگ عملاً (مغرب میں) بھی یہی کر رہے ہیں انہوں نے خلافت جہاد کے نام پر ہنگامے کھڑے کر کے محاذ آرائی شروع کر رکھی ہے۔ غرض دونوں جگہ ان پر جوش مسلم رہنماؤں نے ایک بے فائدہ لڑائی چھیڑی ہوئی ہے۔ ان لڑائیوں نے اسلام کی دعوت و فکر پیش کرنے کے مواقع برباد کر کے رکھ دیئے ہیں۔ دنیا کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کیلئے کرنے کا اہم ترین کام صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو لے کر اٹھیں، علمی و عملی طور پر اسکے نظریہ و فکر کو پیش کریں۔ اس طرح وہ خدا کی رحمتوں کا سب سے زیادہ حصہ پانے کے حق دار ٹھہریں گے۔ یہی وہ کام ہے جس سے انکی کامیابی اور آخرت کی نجات وابستہ ہے۔

------ ☆☆☆☆☆ ------